'تکاثر' کا تباہ کُن رویّہ اور اس سے حفاظت

ڈاکٹر ظفرالاسلام اصلاحی

ارشادِ ربّانی ہے: اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ (التکاثر ۱۰۲:۱-۲) ''تمھیں مال و اسباب کی طلب میں مقابلہ آرائی نے [اللہ کی یاد سے] غافل کردیا یہاں تک کہ تم لوگ قبروں تک پہنچ گئے''۔

آیت میں 'تکاثر' (مال و دولت میں زیادتی کی خواہش اور اس کے لیے مقابلہ آرائی) کی سب سے بڑی خرابی واضح کرتے ہوئے اس سے متنبہ کیا گیا ہے کہ انجام کے اعتبار سے یہ موجبِ تباہی ہے۔ 'تکاثر' کے لفظی معنی مختلف طور پر بیان کیے گئے ہیں: زیادتی کی خواہش یا طلب رکھنا، طلبِ مال میں مسابقت، مال واولاد یا دوسری چیزوں پر آپس میں فخر جتانا یا شیخی بگھارنا، زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر مال یا کوئی دُنیوی سامان حاصل کرنے کی دُھن میں لگا رہنا۔ ان تشریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کے مفہوم میں چار باتیں لازمی طور پر شامل ہوتی ہیں: کسی چیز کی محبت، اس کی حرص اور اس کے حصول میں دوسرے سے مقابلہ آرائی اور حاصل ہوجانے پر فخر جتانا (تفہیم القرآن، ج۶، ص ۴۴۲)۔

اس میں شبہہ نہیں کہ دنیا میں زیب و زینت اور من پسند کی بہت سی چیزیں ہیں جن کی چاہت وطلب میں ضرورت سے زیادہ یا حد درجہ مصروف ہوکر انسان روز مرہ زندگی میں، اللہ ربّ العزت کی یاد اور اس کی ہدایات سے غافل ہوجاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی محبوب چیزوں (یا دنیوی لذّات) میں ذکرِ الٰہی، عبادتِ الٰہی اور اتباعِ حکمِ الٰہی سے سب سے زیادہ غافل کرنے والی چیز مال کی محبت اور اس کے جمع کرنے (یا سمیٹنے) اور اس میں اضافے کی حرص ہے۔ حرص وطمع اور دوسروں سے مقابلہ آرائی میں زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی چاہت مختلف چیزوں

(مال و دولت، زمین و جائیداد، سماجی و سیاسی اثر و رسوخ یا اقتدار اور عہدہ و منصب، دنیوی لذّات وغیرہ) میں ہوتی ہے یا ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ عام مشاہدہ ہے کہ یہ طلب یا چاہت سب سے زیادہ مال و دولت کے ضمن میں نظر آتی ہے۔ مال کی لالچ اور ہوس رکھنے والے کو چین نہیں نصیب ہوتا، اس لیے کہ اس کے نفس میں ھل من مزید کی بازگشت آتی رہتی ہے۔

● **مال و دولت سامانِ آزمایش:** یہ واضح رہے کہ قرآن و حدیث میں مال و دولت اور دنیا کی دوسری چیزوں کو زیب و زینت سے تعبیر کیا گیا ہے اور انھیں 'فتنہ' (وجہِ آزمایش) کہا گیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ (الانفال ۸:۲۸) ''اور جان لو کہ تمھارے مال و تمھاری اولاد (تمھارے لیے) فتنہ (سامانِ آزمایش) ہیں اور اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے''۔

اس آیت کی تشریح میں صاحبِ تفہیم القرآن تحریر فرماتے ہیں: ''دراصل دنیا کی امتحان گاہ میں یہ (مال و اولاد) تمھارے لیے سامانِ آزمایش ہیں۔ جسے تم بیٹا بیٹی کہتے ہو حقیقت کی زبان میں وہ دراصل امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ اور جسے تم جائیداد یا کاروبار کہتے ہو وہ بھی درحقیقت ایک دوسرا پرچۂ امتحان ہے۔ یہ چیزیں تمھارے حوالے اسی لیے کی گئی ہیں کہ ان کے ذریعے سے تمھیں جانچ کر دیکھا جائے کہ تم کہاں تک حقوق اور حدود کا لحاظ کرتے ہو، کہاں تک ذمہ داریوں کا بوجھ لادے ہوئے جذبات کی کشش کے باوجود راہِ راست پر چلتے ہو، اور کہاں تک اپنے نفس کو، جو ان دنیوی چیزوں کی محبت میں اسیر ہوتا ہے، اس طرح قابو میں رکھتے ہو کہ پوری طرح بندۂ حق بھی بنے رہو اور ان چیزوں کے حقوق اس حد تک ادا بھی کرتے رہو جس حد تک حضرتِ حق نے خود ان کا استحقاق مقرر کیا ہے'' (تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۱۴۰، حاشیہ نمبر ۲۳)۔

اسی ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی بھی ملاحظہ فرمائیں: اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَ فِتْنَةُ اُمَّتِي اَلْمَالُ (جامع ترمذی، ابواب الزہد، باب ما جاء اِنَّ فتنة هذه الامّة فی المال) ''ہر امت کے لیے کوئی نہ کوئی چیز وجہِ آزمایش ہوتی ہے، میری امت کے لیے آزمایش مال ہے''۔

مال سب سے بڑی آزمایش اس وجہ سے ہے کہ اس کی محبت انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿۸﴾ (العٰدیٰت ۱۰۰:۸) [اور وہ بے شک مال کی

محبت میں بہت سخت ہے]۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان مال سے صرف محبت نہیں، بلکہ شدید محبت رکھتا ہے۔ اور یہ فطری بات ہے کہ جو چیز انسان کو محبوب ہوتی ہے اسے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لیے خوب دوڑ بھاگ کرتا ہے اور اسے کثیر مقدار میں اپنے پاس رکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ ایک اور آیت (اٰل عمرٰن ۳:۱۴) میں واضح طور پر انسان کو خبردار کر دیا گیا کہ مال کے علاوہ اور کون سی پسندیدہ چیزیں ہیں جن کی محبت ان کے دلوں میں بطور آزمایش رچا بسا دی گئی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (اٰل عمرٰن ۳:۱۴) لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس ___ عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے کھنکھناتے ڈھیر، عمدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں [اور ان کی پیداوار] بڑی خوش نما بنا دی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کے چند روزہ سامان ہیں، اور [سچ یہ ہے کہ] بہترین ٹھکانا اللہ کے یہاں ہے۔

● **مال کمانے کی حرص:** واقعہ یہ ہے کہ جب انسان کو کسی چیز کی شدید چاہت ہوتی ہے تو یہ رفتہ رفتہ حرص یا لالچ میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اس کا کچھ حصّہ اسے مل جاتا ہے تو اسے بڑھانے کی فکر میں لگا رہتا ہے، یہاں تک کہ ایک طلب پوری نہیں ہوتی کہ دوسری طلب پیدا ہو جاتی ہے، یعنی کچھ اور، کچھ اور کی چاہت اسے چین نہیں لینے دیتی۔ ایک حدیث میں بڑے ہی مؤثر اسلوب میں انسان کی اس کیفیت کی عکّاسی کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ أُعْطِيَ وَادِيًا مَلأً مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَانِيًا وَلَوْ أُعْطِيَ ثَانِيًا أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَالِثًا ، وَلاَ يَسُدُّ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب مایتّقی من فتنۃ المال وقول اللّٰہ تعالٰی اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ) اگر کسی شخص کو ایک وادی بھر سونا دے دیا جائے تو وہ دوسری وادی بھر سونا کی خواہش کرے گا۔ اگر اسے سونا بھری دوسری وادی مل جائے تو تیسری کی آرزو میں گرفتار ہوجائے گا۔ (حقیقت یہ کہ) انسان کے پیٹ کو (قبر کی)

مٹّی کے سوا اور کوئی چیز بند (بھر) نہیں کرسکتی، اور اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے جو (گناہ کے ارتکاب کے بعد) اس سے توبہ کرلیتا ہے۔

بلاشبہہ دل میں مال کی محبت بیٹھ جانا، بہت زیادہ مال و اسباب جمع کرنے کا حریص ہونا، رات دن اسی میں سرگرداں رہنا اور پھر اپنے ذخیرۂ مال پر فخر و ناز کرنا ناپسندیدہ روش ہے، جو دُنیوی و اُخروی دونوں زندگی میں تباہی کا موجب بنتی ہے۔ یہ نکتہ ان آیات پر غور و فکر سے بہت واضح طور پر سامنے آتا ہے جن میں مال و اولاد کو فتنہ (یعنی آزمایش کا سامان) کہا گیا ہے اور اس کے فوراً بعد اللہ سے ڈرنے اور گناہوں سے دور رہنے کی ہدایت دی گئی ہے (الانفال ۸:۲۹؛ التغابن ۶۴:۱۶)، یعنی اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ مال و دولت حاصل کرنے، اسے خرچ کرنے اور آل و اولاد کی پرورش و پرداخت کرتے ہوئے اللہ کے رُوبرو حاضری اور جواب دہی سے ڈرتے رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کاموں کو کرتے ہوئے شریعت کے احکام کو توڑ کر ربِّ کریم کی ناراضی مول لے لو۔ رہا یہ مسئلہ کہ مال و اولاد سے متعلق معاملات میں ضرورت سے زیادہ یا خلافِ شریعت مصروفیات میں دین کے اعتبار سے سب سے بڑا نقصان کیا ہے؟، قرآن کی مختلف آیات کی روشنی میں اسے اس طور پر بیان کیا جاسکتا ہے: اللہ کی یاد سے غافل ہوجانا، فرائض کی ادائیگی میں لاپرواہی برتنا اور اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا، عاقبت کو خراب کردینا۔ ارشادِ ربّانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المنٰفقون ۶۳:۹)، اے ایمان والو! تمھارے مال و تمھاری اولاد تمھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے اور جو کوئی ایسا کریں گے وہ [یقیناً بڑے] گھاٹے میں ہوں گے۔

یعنی اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہو، مال کی طلب میں اس درجہ منہمک نہ ہوجاؤ کہ اللہ کو یاد کرنا بھول جاؤ، اور اپنی اولاد کی محبت میں ایسا کام نہ کر ڈالو کہ اللہ ناراض ہوجائے۔ یہ بات محتاجِ وضاحت نہیں کہ اللہ کی یاد سے غافل ہوجانے کا مطلب محض زبان سے ذکر، تسبیح و اوراد کے کلمات کی ادائی بھول جانا نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کے احکام کو بھول جانا یا ان کی خلاف ورزی

کرنا سب کچھ شامل ہے۔

مال اور دنیوی ساز وسامان کی حرص، دینی اُمور کے لیے کس قدر خطرناک ہے اسے ایک حدیث میں بڑے مؤثر انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ حضرت کعب ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے جنھیں بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے [وہ بکریوں کو] اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا نقصان آدمی کے مال و جاہ کی حرص اس کے دین کو پہنچاتی ہے (جامع ترمذی)

واقعہ یہ ہے کہ تکاثر (ضرورت سے زیادہ مال و اسباب جمع کرنے کا حریص ہونا اور مقابلہ آرائی کرنا اور اس پر فخر وغرور کا مظاہرہ کرنا) بجائے خود ایک کھلی برائی ہے اور بہت سی دیگر برائیوں کو جنم دینے کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ ان میں خاص طور سے بخل و ذخیرہ اندوزی، حسد وجلن، بددیانتی ودھوکا دہی، ریا ونمود اور فخر وناز کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

● **مال و دولت کی فراخی آزمایش کا سبب:** یہاں یہ واضح رہے کہ مال و دولت کمانا اور اس کے میسر آنے پر خوشی کا اظہار ناپسندیدہ ومعیوب نہیں، لیکن مال و دولت مل جانے یا جمع ہوجانے پر بے قابو ہوجانا، غیر معتدل رویہ اختیار کرنا اور پھر طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہوجانا کسی بھی صورت میں پسندیدہ روش نہیں ہے، جیسا کہ ایک حدیث سے یہ قیمتی نکتہ سامنے آتا ہے:

ایک مرتبہ ایک صحابی بحرین سے جزیہ کی صورت میں کچھ مال لے کر مدینہ واپس ہوئے اور دوسرے صحابہ کو بھی اس کی خبر ہوگئی۔ نمازِ فجر کے بعد آپؐ نے تبسم فرماتے ہوئے ان سے پوچھا کہ تمھیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ بحرین سے مال آیا ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا: ہاں، اے اللہ کے رسولؐ۔ آپؐ نے فرمایا: واقعی مال آیا ہے، خوش ہوجاؤ اور ہمیشہ مسرت بخش چیزوں کی اُمید رکھو [لیکن یہ بھی سن لو] قسم اللہ کی کہ مجھے تمھارے بارے میں فقر سے اندیشہ نہیں [کہ وہ تم میں فساد پیدا کرے گا]، بلکہ یہ اندیشہ [ضرور] ہے کہ تمھارے لیے دنیا [کے مال ودولت] کی فراخی کردی جائے گی، جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کی گئی تھی، پھر تم اس میں اسی طرح رغبت و مقابلہ آرائی کروگے جیسے تم سے پہلے لوگوں نے کیا تھا۔ [آخرکار] یہ روش تمھارے لیے تباہ کن ثابت ہوگی جس طرح اس نے انھیں ہلاک کردیا تھا (صحیح بخاری، کتاب الجزیہ والموادعۃ، باب الجزیہ والموادعۃ مع اہل الذمۃ والحرب)۔

اس روایت کی تشریح میں مولانا محمد فاروق خاں لکھتے ہیں: ''یعنی فقر و افلاس کی وجہ سے آدمی فتنہ و آزمایش میں پڑ سکتا ہے، لیکن اس سے بڑھ کر اس کے بارے میں اندیشہ اُس وقت ہوتا ہے، جب کہ اس کے لیے مال و متاع کی راہیں کھل جائیں اور وہ دولت کی چاہت میں اپنی اصل ذمہ داریوں کو فراموش کر بیٹھے۔ اسے اگر دُھن ہو تو صرف اس بات کی کہ کتنی جلد وہ اپنے لیے زیادہ سے زیادہ سرمایہ سمیٹ لے۔ وہ حرص کا ایسا بندہ بن کر رہ جائے کہ نہ اسے فقراء و مساکین پر رحم آئے اور نہ اپنی دولت کو راہِ خدا میں صرف کر سکے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ ضروریات سے بڑھ کر کسی شخص کے پاس دولت جمع ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کا قوی اندیشہ ہو جاتا ہے کہ کہیں وہ دنیا میں اس طرح نہ منہمک ہو جائے کہ نہ اسے خدا یاد آئے اور نہ اسے آخرت کی کوئی فکر دامن گیر ہو'' (کلامِ نبوت، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء، ج ۲، ص ۴۵۵-۴۵۶)۔

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کا میسر آنا یا کثیر مقدار میں اس کا حصول اسلام میں ممنوع یا ناپسندیدہ نہیں ہے، بلکہ اس کے حصول کے بعد جائز و ناجائز بھول کر زیادہ مال و دولت جمع کرنے کی شدید خواہش کا پیدا ہو جانا معیوب اور نقصان دہ ہے۔ اس حدیث کے آخری حصّہ فتنافسوھا کما تنافسوھا سے اسی نکتہ کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ لفظ 'تنافس' کا ترجمہ بالعموم رغبت و شدید خواہش کیا جاتا ہے۔

اگر اہلِ کتاب کے اطوار و احوال کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی خرابیوں یا برائیوں میں یہ مذموم حرکت بھی شامل تھی، جیسا کہ بعض آیات (المائدۃ ۵:۶۲) سے صاف واضح ہوتا ہے کہ روزمرہ زندگی میں ان کی بھاگ دوڑ کا اصل میدان یہی تھا۔ مال و دولت کی محبت و حرص نہ صرف یہ کہ ان کے دل و دماغ میں رچی بسی تھی اور اپنے خزانے میں اضافے کی خاطر جائز و ناجائز کا لحاظ کیے بغیر مختلف ذرائع اختیار کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھ چھوڑتے تھے اور دوسروں سے بازی مار لے جانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔

● **حرص و بخل کے مرض سے دوچار:** امر واقعہ ہے کہ جب کسی چیز کی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے، تو اس کے ساتھ حرص و بخل دونوں (بظاہر متضاد) برائیاں اس کے دل میں پرورش پاتی ہیں اور یہ مال کی محبت اور دیگر برائیوں (بالخصوص حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کی خلاف ورزی)

پر اُبھارتی ہیں۔ اس لیے کہ اس کے دل میں یہ خیال جم جاتا ہے کہ اگر جمع شدہ پونجی میں سے کچھ خرچ کرے گا تو اس میں کمی آجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اس عمل کو ایک اعلیٰ درجے کی نیکی قرار دیا گیا ہے کہ مال کی شدید محبت و چاہت کے باوجود اسے نیک کاموں میں خرچ کیا جائے۔

یہ آیت ایک بندۂ مومن کے اسی وصفِ خاص کی ترجمان ہے: وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ (البقرۃ۲:۱۷۷) [اور وہ مال کی محبت کے باوجود اسے اہلِ قرابت، یتیموں اور غریبوں پر خرچ کرتا ہے]۔ اس کی مزید تشریح اس حدیث سے ملتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اجر کے اعتبار سے وہ صدقہ سب سے بڑا ہے کہ جسے کوئی اس حال میں کسی کو دے کہ وہ صحیح وتندرست ہو اور صدقہ میں دینے والے مال کی حرص میں ڈوبا ہوا ہو اور بخل میں بھی اس بُری طرح مبتلا ہو کہ فقر کے ڈر سے مال نہ خرچ کرتا ہو اور زیادہ مال کا امیدوار یا خواہش مند ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق ایک صحابیؓ کے اس سوال پر کہ اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَعْظَمُ اَجْرًا ؟ [کون سا صدقہ اجر کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہے؟] کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ ،تَخْشَی الْفَقْرَ وَتَأْمَلُ الْغِنٰی (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب بیان أفضل الصدقۃِ صدقۃُ الصحیحِ الشحیحِ) [تم صدقہ کرو اس حال میں کہ تم صحت مند ہو، (مال کے) حریص ہو، فقر سے خوف کھاتے ہو اور مال داری کے اُمیدوار یا خواہش مند ہو]۔

حقیقت یہ کہ حرص ایسی بُری بلا ہے کہ وہ چین نہیں لینے دیتی۔ کچھ مال جمع ہوجانے اور اس کی لذت ملنے پر مزید کی طلب بھڑکتی رہتی ہے، پھر کچھ اور پونجی ہاتھ آگئی تو بھی اسے سکون نہیں ملتا اور نفس کی خواہشات کا تابع ہوکر وہ مزید کی طلب کا غلام بن جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مال واسباب کی حرص اور انھیں بڑھانے کی شدید خواہش میں گرفتار شخص سوچتا رہتا ہے کہ فلاں کے پاس مال و دولت کا اتنا ڈھیر ہے تو ہم کیوں پیچھے رہیں؟ اس کے پاس اتنے وسائل ہیں تو ہم کیوں نہ بھاگ دوڑ کریں؟ جناب حفیظ میرٹھی کا یہ شعر اسی صورتِ حال کی بہترین ترجمانی کر رہا ہے:

بس یہی دوڑ ہے اس دور کے انسانوں کی ترى دیوار سے اُونچی مری دیوار بنے

● **زیادہ جائیدادیں بنانے سے گریز**: مال واسباب بڑھانے کی شدید طلب رکھنے

والوں یا تکاثر کا رویّہ اپنانے والوں سے قرآن کریم میں ایک جگہ اس انداز سے خطاب کیا گیا ہے:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝۱۲۸ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝۱۲۹ (الشعراء ۲۶:۱۲۸-۱۲۹) کیا تم لوگ ہر اونچے مقام پر ایک لاحاصل یا بلاضرورت عمارت [اپنی] نشانی کے طور پر بناتے ہو اور [اسی طرح بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے ہو گویا تمھیں ہمیشہ یہاں رہنا ہے]۔

یعنی محض اپنی شان وشوکت کے مظاہرے یا دوسروں کی دیکھا دیکھی اور ان سے مقابلہ آرائی میں بلاضرورت اونچی اونچی اور مضبوط عمارتیں تعمیر کرتے ہو۔ تمھارے اس طرزِعمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمھیں موت نہیں آنی ہے اور ہمیشہ ہمیش اسی دنیا میں رہنا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ تحریر فرماتے ہیں: ''بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً بُرا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ اَلنَّفَقَةُ كُلُّهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا الْبِنَاءَ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ، یعنی وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری و بھلائی نہیں۔ اس معنی کی تصدیق حضرت انسؓ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے: اَمَا اِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ اِلَّا مَا لَا اِلَّا مَا لَا يَعْنِيْ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ (ابوداؤد)، یعنی ہر تعمیر صاحبِ تعمیر کے لیے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے (معارف القرآن، ج۶، ص ۵۳۷-۵۳۸)۔

واقعہ یہ ہے کہ مال و جائیداد کے حریص اور تکاثر کی راہ اختیار کرنے والوں کی پوری عمر ان چیزوں کو بڑھاتے رہنے کی بھاگ دوڑ میں گزر جاتی ہے، یہاں تک کہ قبر میں ان کے جانے کا وقت آجاتا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں بڑے مؤثر انداز میں اسی کیفیت کی عکاسی کی گئی ہے کہ ایک شخص کو اگر ایک وادی بھر سونا ہاتھ آجاتا ہے، تو وہ سونے بھری دوسری وادی کی طلب میں سرگرداں رہتا ہے، پھر تیسری و چوتھی کی فکر اسے دامن گیر ہوجاتی ہے، یعنی وہ مال و دولت کی محبت و لالچ کے اسی ختم نہ ہونے والے چکّر میں پڑا رہتا ہے، یہاں تک زیرِخاک ہوکر مٹّی میں مل جاتا ہے۔

اس صورت حال کے پس منظر میں رسولؐ اللہ کا یہ فرمان بڑی معنویت رکھتا ہے: لَا تَتَّخِذُوا الضيعةَ فترغَبُوْا فِيْ الدُّنْيَا (جامع ترمذی، ابواب الزہد، باب لَا تَتَّخذوا الضيعةَ فترغَبُوْا

فِیْ الدُّنْیَا) [زیادہ] زمین و جائیداد نہ بناؤ ورنہ دنیا یا دنیا کے مال ومتاع کی لالچ تمھیں اپنے گھیرے میں لے لے گی [جس سے پھر تم نکل نہیں پاؤ گے]۔ اس حدیث کی تشریح میں ہے: ''الضیعۃ سے مراد زمین، صنعت وزراعت اور کاروبار ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان میں اتنا زیادہ انہماک اور دلچسپی نہیں ہونی چاہیے کہ انسان کا مقصدِ زندگی رضائے الٰہی کے بجائے یہی چیزیں بن جائیں اور اس کے شب وروز اسی تگ و دو میں صرف ہوں، ورنہ حسبِ ضرورت و کفایت تو زمین، کاروبار اور جائیداد وغیرہ بنانا اور رکھنا سب جائز ہے، ممنوع نہیں۔

● **دُنیا کی حقیقت پر نظر:** رہا یہ سوال کہ تکاثر کے مہلک رویہ سے کیسے بچا سکتا ہے، اس برائی سے کیسے نجات مل سکتی ہے یا اس راہ پر چلنے سے باز رہنے یا باز رکھنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟

اس مقصد سے قرآن کریم میں غور وفکر سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان کی ذہنی وفکری اصلاح یا اس کی اندرونی حالت سدھارنے کی زیادہ اہمیت ہے۔ قرآن کریم دنیا کے تعلق سے اس پہلو سے انسان کی ذہن سازی کرتا ہے کہ اس عارضی جائے قیام کا مال ومتاع فانی ہے، کتنا بھی مال و اسباب جمع ہوجائے وہ کم ہوکے یا ختم ہوکے رہتا ہے۔ یہاں سے رخصتی کے وقت یہ سب چیزیں انسان کا ساتھ چھوڑ دینے والی ہیں، تو پھر ایسی چیزوں سے لو لگانے، دن رات ان کی خاطر دوڑ بھاگ کرنے، مال و دولت کا خزانہ جمع کرنے اور اس میں اضافے کی خاطر ساری توانائیاں صرف کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر دُنیوی مال ومتاع کے لیے حرص و ہوس کی عکاسی بڑے مؤثر اسلوب میں کی گئی ہے: وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (العنکبوت ۲۹:۶۴) ''یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے، مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا، اصل زندگی تو دارِ آخرت ہے، کاش لوگ (اس حقیقت کو) جان لیتے''۔

ایک دوسری آیت میں دنیا کی زیب وزینت کو مزید واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے:

> خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل و دل لگی اور ظاہری ٹیپ و ٹاپ اور تمھارا آپس میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر

کاشت کار خوش ہوگئے، پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور پھر دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی، پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برخلاف آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور خوش نودی ہے۔ [یہ یقین کرلو] دنیا کی زندگی ایک دھوکا کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (الحدید ۵۷:۲۰)

یہ آیت بہت ہی واضح انداز میں انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کر رہی ہے کہ دُنیوی زندگی اور اس کا ساز وسامان محض زیب وزینت ہے۔ مال واولاد کی کثرت پر انسان چاہے کتنا مگن ہوجائے، جس قدر چاہے فخر جتائے، اسے بقا و پائے داری نہیں، بس ایک فریب ہے جو کچھ ہی دنوں بعد ہوا ہوجائے گا۔

اس آیت کی تشریح میں سیّد قطب شہید رقم طراز ہیں: ''مطلب یہ کہ اس کھیتی کا ایک وقت مقرر ہے جو بہت جلد پورا ہوجاتا ہے، اس کے بعد یہ کھیتی اپنی آخری عمر کو پہنچ جاتی ہے۔ اس متحرک تصویر کے ساتھ جو انسانوں کے روزمرہ مشاہدات سے ماخوذ ہے پوری زندگی کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے اور حیاتِ دنیا کا یہ اختتام کھیتی کے چورا چورا ہونے کے منظر سے صاف دکھائی دیتا ہے۔ رہی آخرت تو اس کی حیثیت اس سے بالکل مختلف ہے اور اس کی حیثیت اس قابل ہے کہ اس کی طرف توجہ دی جائے، اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے اور اس کے لیے تیاری کی جائے۔ یہ (آخرت) دنیا کی طرح پلک جھپکتے گزر جانے والی نہیں ہے اور نہ اس کا انجام اس کھیتی کے چورا جیسا ہے جس کی عمر پوری ہوچکی ہو، یہاں تو اعمال کا حساب وکتاب ہونا ہے اور اس پر جزا وسزا ملنی ہے اور آخرت کی دائمی زندگی ہے، اس لیے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس (دنیا کی) متاع کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس کا وجود تو بس ایک فریب اور دھوکے سے عبارت ہے، یہ غفلت وخود فراموشی میں مبتلا کرتی ہے جس کا نتیجہ دھوکا اور فریب کے سوا کچھ ظاہر نہیں ہوتا'' (سید قطب شہید، ترجمہ: سید حامد علی، تفسیر فی ظلال القرآن، ج ۱۶، ص ۵۵-۵۶)

اسی طرح سورۂ یونس کی آیت ۲۴ میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو سرسبز وشاداب اور پیداوار سے بھرے کھیت کو دیکھ کر خوش ہوجاتے ہیں، اسے محض اپنی محنت یا دوڑ دھوپ کا ثمرہ اور اپنی اہلیت وصلاحیت کی کارستانی سمجھتے ہیں اور منعمِ حقیقی کو بھول جاتے ہیں، اس کا شکر بھی نہیں ادا کرتے:

دنیا کی یہ زندگی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا تو زمین کی پیداوار، جسے انسان و جانور سب کھاتے ہیں، خوب گھنی ہوگئی، پھر عین اس وقت، جب کہ زمین اپنی بہار پر تھی اور کھیتیاں بنی سنوری کھڑی تھیں اور ان کے مالک اس گمان میں تھے کہ اب ہم ان سے فائدہ اٹھانے پر قادر ہیں، یکا یک رات کو ہمارا حکم آ گیا اور ہم نے اسے ایسا غارت کر کے رکھ دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس طرح ہم نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ (یونس ۱۰:۲۴)

● **نیکی کی راہ میں سبقت:** یہاں یہ ذہن میں رہے کہ دنیوی زندگی کی بہتری و ترقی کے لیے جد و جہد قرآن کی نظر میں معیوب نہیں بلکہ وہ اس کی ترغیب دیتا ہے، لیکن وہ اہلِ ایمان کے لیے کوشش اور بھاگ دوڑ کا اصل میدان نیکی کمانا یا خیر کی طلب میں آگے بڑھنا مقرر کرتا ہے۔ قرآن کریم بار بار انسان کو یہ قیمتی نکتہ ذہن نشیں کراتا ہے کہ آزمایش بھری اس دنیا میں اس کے لیے حقیقی کامیابی کا راز اس میں ہے کہ وہ نیکی کی راہ میں مسابقت کو اپنا ٹارگٹ بنائے:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ (الحدید ۵۷:۲۱) اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت آسمان اور زمین کے مثل ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوںؑ پر ایمان لائے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن کریم دنیوی زندگی میں نہ تگ و دو اور جدّ و جہد کا مخالف ہے اور نہ دوسروں سے مقابلہ آرائی کو ناپسند کرتا ہے، بلکہ یہ کتابِ ہدایت مقابلہ کے رخ کو صحیح کرنے اور اسے ایک عظیم مقصد (حقیقی کامیابی کے حصول) سے مربوط کرنے کی دعوت دیتی ہے، جیسا کہ سورۃ الحدید کی آیت ۲۱ سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے: سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ ''اپنے رب سے مغفرت طلبی اور جنت کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھو''، یعنی مغفرت و رضائے الٰہی کی طلب ہی دراصل مومن کے لیے مسابقت کا اصل میدان ہے۔

قرآن کی یہ دعوت دوسرے مقامات پر بھی ملتی ہے: وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (اٰل عمرٰن ۳:۱۳۳) ''اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کے لیے آگے بڑھو جس کی وسعت آسمانوں و زمین کی طرح ہے۔ یہ پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔ پھر ایک اور مقام پر بہت ہی واضح انداز میں مومنین کو خیر کی طلب میں مسابقت یا آگے بڑھنے کی دعوت دی گئی ہے: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ (البقرۃ ۲:۱۴۸) ''ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے۔ وہ اسی کی طرف رخ کرنے والا ہے، تو تم نیکیوں کی راہ میں سبقت کرو'' (نیز دیکھیے: المائدۃ: ۵/ ۴۸؛ المومنون: ۲۳/ ۶۸)۔

● **مالِ دُنیا کی حقیقت:** مال و اسباب میں سے وہی کام آتا ہے یا آئے گا جس سے انسان اپنی ضروریات پوری کرلے یا جسے کسی کارِخیر میں لگا دے اور اس کا اجر ہمیشہ ہمیش کے لیے مالک الملک کے پاس محفوظ ہوجائے۔ انسان بالخصوص تکاثر کی راہ اپنانے والوں کو سورۃ النحل کی آیت ۹۶ یہی پیغام دے رہی ہے: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ ''تم لوگوں کے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہوجائے گا اور اللہ کے پاس جو کچھ (اس کا اجر) ہے وہی باقی رہنے والا ہے''۔

ظاہر ہے کہ اللہ کے پاس جو کچھ باقی رہنے والا ہے اس سے مراد کسی کارِخیر یا محتاج بندوں کی ضروریات کی تکمیل میں صرف کیے گئے مال کا اجر و ثواب ہے، جو اللہ کے پاس محفوظ ہوجاتا ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے اپنی کتابِ ہدایت میں اصحابِ مال کو بار بار یہ تاکید کی ہے کہ وہ (اپنی جائز ضروریات کی تکمیل کے بعد) کارِخیر میں اپنا مال خرچ کرتے رہیں، اس سے پہلے پہلے کہ ان کی موت کا وقت آجائے اور خاص طور سے سورۃ المنافقون کی آخری آیات بہت ہی واضح انداز میں یہ پیغام دے رہی ہیں۔ اسی ضمن میں عبداللہ ابن شِخّیر سے مروی ایک حدیث نبویؐ کا حوالہ بھی برمحل معلوم ہوتا ہے:

قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ وَهُوَ يَقْرَءُ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ فَقَالَ يَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِيْ، مَالِيْ قَالَ وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ مِنْ مَالِكَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَيْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ (صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنّۃ للکافر) حضرت عبداللہ ابن شِخّیر سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ تلاوت فرما رہے تھے، پھر آپؐ نے فرمایا: انسان کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالاں کہ انسان کا مال بس وہ ہے جو اس نے کھا کر ختم کر دیا، پہن کر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے آگے (آخرت کے لیے) بڑھا دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صاحبِ مال جو مال صدقہ یا کسی کارِخیر میں خرچ کرے یا کرتا ہے، وہی اس کے لیے ذخیرۂ آخرت بننے والا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ 'تکاثر' کی راہ پر چلنے والے مال و دولت کے نہ صرف حریص ہوتے ہیں، بلکہ اسے بڑھانے کی فکر میں دن رات دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں۔ دوسری جانب، وہ مال خرچ کرنے سے کتراتے ہیں، اس لیے کہ وہ یہ گمان رکھتے ہیں کہ اس سے مال کم ہوجائے گا۔ اس طرح متضاد برائیاں (حرص و بخل) ان کو اپنے گھیرے میں لیے رہتی ہیں۔

قرآن اس پہلو سے بھی اصحابِ مال کو سوچنے کی دعوت دیتا ہے کہ کسی کو بھی کم و بیش جو کچھ مال ملتا ہے وہ اللہ کی نوازش ہوتی ہے۔ سارے خزانوں کا مالک وہی ہے، وہ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق کسی کو کم اور کسی کو زیادہ عطا فرماتا ہے (اٰل عمرٰن ۳:۷۳-۷۴؛ العنکبوت ۲۹:۶۲)۔ اس میں کسی انسان کو کوئی اختیار نہیں، تو پھر کسی کے پاس زیادہ مال و دولت دیکھ کر اس سے حسد کے کیا معنی؟ مال و دولت کی ہوس سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ کسی کے مال و دولت پر لالچ کی نظر ڈالنے کے بجائے جو کچھ ملا ہے اس پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا جائے اور قناعت کی راہ اختیار کی جائے، بلاشبہہ قناعت خود بہت بڑی دولت ہے۔ مال یا زیادہ مال کی طلب میں کوئی حرج نہیں، بس شرط یہ ہے کہ اس کے لیے جائز ذرائع اختیار کیے جائیں اور اللہ کا فضل و کرم طلب کرنے کے لیے اس سے خوب دعائیں مانگی جائیں (النساء ۴:۳۲)۔

اسی طرح یہ بھی ذہن میں رہے کہ کم یا زیادہ مال نصیب ہونے یا اس سے بالکل محروم رہنے والوں، سب کو مالک الملک آزماتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ دونوں صورتوں میں انسان کا کیا رویہ ہوتا ہے؟ کیا مال نصیب ہونے پر صاحبِ مال منعمِ حقیقی کو یاد کرتا ہے، اس کا شکر بجا لاتا ہے اور اس کی عطا کردہ نعمت میں محتاجوں و غریبوں کو شریک کرتا ہے یا اسے بھول جاتا ہے، اس کی ہدایات سے غافل ہوجاتا ہے، مال نصیب ہونے کے بعد وہ دوسروں پر فخر جتاتا ہے اور تکبر کا رویہ اپناتا ہے؟ اسی طرح صاحبِ مال کو اس طور بھی آزمایا جاتا ہے کہ اسے جو کچھ مال و اسباب ملا ہوا

ہے اس سے اپنی ضروریات کی تکمیل یا کسی نیک کام میں خرچ کرتا رہتا ہے یا دن رات اسے اور بڑھانے کے چکّر میں پڑا رہتا ہے: یہ آیت اسی حقیقت کی یاددہانی کرا رہی ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ (الکہف ۱۸:۷-۸) ہم نے جو کچھ [ساز وسامان] زمین پر ہے اسے اس کے لیے زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں عمل کے اعتبار سے کون اچھا ہے، آخر کار ان سب کو [ختم کرکے ایک دن] چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ تفہیم القرآن تحریر فرماتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ یہ سامانِ عیش نہیں، بلکہ وسائلِ امتحان ہیں جن کے درمیان تم کو رکھ کر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ تم میں سے کون اپنی اصل کو فراموش کرکے دنیا کی ان دل فریبیوں میں گم ہوجاتا ہے اور کون اپنے اصل مقام (بندگیٔ رب) کو یاد رکھ کر صحیح رویہ پر قائم رہتا ہے۔ جس روز یہ امتحان ختم ہوجائے گا اسی روز یہ بساطِ عیش اُلٹ دی جائے گی اور یہ زمین ایک چٹیل میدان کے سوا کچھ نہ رہے گی'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۱۰-۱۱)۔

دنیا کی چیزوں کی حقیقت سے متعلق قرآن کی اس وضاحت کے علاوہ بعض مقام پر خاص طور سے مال و دولت اور اولاد کی نسبت سے اس جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ ان کی حیثیت محض چند روزہ زیب و زینت کی ہے اور یہ سامانِ آزمایش ہیں، اصل میں نیکیاں ہی باقی رہنے والی اور موجبِ خیر بننے والی ہیں۔ (الکہف ۱۸:۴۶؛ اٰل عمرٰن ۳:۱۸۶؛ الانعام ۶:۱۶۵)۔

● **شکر کا جذبہ پیدا کرنے کی تدبیر:** قرآن کریم و حدیث میں حرص و ہوس اور تکاثر سے دور رہنے کے لیے ایک اور نسخہ تجویز کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ دنیا کے مال و متاع کے باب میں اپنے سے کم پانے والوں یا بالکل محروم رہنے والوں پر نظر ڈالی جائے۔ ایسا کرنے سے بلاشبہہ شکرِ الٰہی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور حرص و لالچ کی کیفیت مردہ پڑ جاتی ہے، انفاق کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور محروموں و محتاجوں کے معاملے میں ہمدردی و تعاون کی طرف قدم آگے بڑھتا ہے۔

ایک حدیث میں مال و دولت یا دُنیوی اسباب کی نسبت سے ان لوگوں پر نظر ڈالنے کی

ہدایت دی گئی ہے جنھیں ان سے کم میسر ہے، اور انھیں دیکھنے سے منع کیا گیا ہے جو ان سے زیادہ مال و دولت والے ہیں، تاکہ اللہ کی عطا کردہ نعمت کو حقیر نہ سمجھا جائے یا اس کی ناقدری کا جذبہ نہ پیدا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشادِ گرامی ملاحظہ ہو:

اُنْظُرُوا اِلٰى مَنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ (صحیح مسلم، کتاب الزہد، حدیث:۵۳۷۶)

اس ضمن میں اہم بات یہ کہ اگر کسی سے مذکورہ بالا ہدایت کی خلاف ورزی ہوجائے تو ایک دوسری حدیث میں اس کی تلافی کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ مِنَ الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب لِينظرْ الی من ھو اسفلَ منہ ولاینظرْ الی من ھو فوقہٗ) جب تم سے کوئی مال اور اولاد کے باب میں اپنے سے افضل کسی شخص کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ ان چیزوں کی نسبت سے اپنے سے کم تر پر نظر ڈال لے۔

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں یہ اور ضروری ہوگیا ہے کہ دنیا اور اس کے مال و متاع سے متعلق قرآن کے بیان کردہ حقائق ہمیشہ ذہن میں تازہ رکھے جائیں۔

● **آخرت میں جواب دہی کا احساس:** ان سب کے علاوہ ایک ضروری بات یہ کہ اگر بعث بعد الموت، اللہ ربُّ العزت کے حضور حاضری، محاسبہ یا باز پُرس کا احساس دل میں نقش رہے اور ذہن میں تازہ ہوتا رہے اور قرآن وحدیث میں بیان کی گئیں نعمتوں سے بھری جنت، رنج وغم سے پاک اور فرحت بخش زندگی اور جہنم کی ہولناکیاں اور وہاں کی انتہائی تکلیف دہ و ذلت آمیز زندگی کے مناظر سامنے رہیں، تو کسی بھی برائی یا گناہ (چاہے اس کا تعلق تکاثر سے ہو یا کسی اور بُرے کام سے) کے کام کی طرف اٹھتے قدم رُک جائیں گے اور نیکیوں کی طرف قدم تیزی سے بڑھنے والے ہوجائیں گے۔ یہ حقیقت اُن آیات پر نظر ڈالنے سے کھل کر سامنے آجاتی ہے جن میں کسی بات یا کام کا حکم دینے یا کسی برائی سے باز رہنے یا گناہ کے کسی کام سے دور رہنے کی ہدایت کے فوراً بعد ایک دن موت کی حالت سے دوبارہ اٹھائے جانے، اللہ رب العزت کے حضور پیشی ، اعمال کے

بارے میں باز پُرس ہونے ، دائیں یا بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیئے جانے اور پھر اسی کے مطابق جزا یا سزا، جنت نصیب ہونے یا جہنم میں ڈالے جانے کا بیان ملتا ہے۔مثال کے طور پر سورۃ الشعراء کی آیت ۱۲۹ میں حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے ان لوگوں پر نکیر کرنے یا انھیں متنبہ کرنے کے بعد جو محض شان وشوکت کے مظاہرے کی خاطر یا دوسروں سے مقابلہ آرائی میں بلاضرورت ہر مقام پر اپنی یادگار عمارتیں بنواتے رہتے تھے، آخر میں ان سے یہ بھی فرمایا تھا: اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ (الشعراء ۲۶:۱۳۵) [مجھے تمھارے بارے میں ایک بڑے دن (روزِ جزا) کے عذاب کا خوف لاحق ہے]۔

واقعہ یہ ہے کہ آخرت کی زندگی پر ایمان اور اس میں پیش آنے والے احوال کو ذہن میں تازہ رکھنا ایک جانب نیک اعمال کے لیے زبردست محرک بنتا ہے تو دوسری جانب بُرائیوں اور گناہ کی باتوں و کاموں سے باز رکھنے کے لیے انتہائی مؤثر ثابت ہوتا ہے۔اللہ کرے ہم سب کو ان حقائق کو سمجھنے اور روزمرہ زندگی میں ان سے کام لینے کی توفیق نصیب ہو، آمین!